متن۔ لُغوی واصطلاحی مفہوم

ڈاکٹر عظمت رباب

Dr. Azmat Rubab

Associate Professor, Department of Urdu,

Lahore College For Women University, Lahore.

Abstract:

The subject of "Tadveen e Matn" primarily concerns the science as well as the art of restoration of the classical and ancient texts to their original form in which these were written by their authors. However in practice it involves many variations and transformations. The differences start right from the definition of the term "Matn" i.e. text. Scholars expound their differences among themselves which are no use for a beginner who is start his journey of knowledge. There was the requirement of stating it in simple terms. In this paper, the authors have explained the term for the beginner scholars.

اس کائنات میں انسان اور زبان وتحریر کا تعلق انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی وجود میں آ گیا ہوگا۔ زبان کی بدولت انسان کا درجہ دوسرے جانداروں سے افضل ہے معاشی وسماجی ضروریات نے انسان کو مجبور کیا کہ وہ کچھ آوازیں وضع کرے اوران کے ذریعے اپنے مطالب واضح کرے۔ کائنات میں سیکڑوں، ہزاروں آوازیں موجود ہیں۔ ان کی مدد سے ابتدا میں اشارے بنائے گئے اور آوازیں نکالی گئیں۔ پھر ہر آواز اور اشارے کے لیے کوئی علامت ایجاد کی گئی۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> ''نقوش اور علامتوں کے ذریعے انسانی خیالات واظہار کی صورت نکل آئی، ہر قسم کی آواز اور ہر قسم کے اشارے کے لیے ایک نقش یا نشان مقرر کرلیا گیا۔''(۱)

زمانۂ قدیم میں لوگ زبان کو عطیہ خداوندی اور فنِ تحریر کو دیوتاؤں کی ایجاد سمجھتے تھے۔ فنِ تحریر کے آغاز کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں مثلاً یہودیوں کا کہنا ہے کہ تحریر کے موجد حضرت ادریسؑ ہیں۔ اسی طرح تہذیب وتمدن کے قدیم گہواروں مصر اور عراق میں تحریری نمونوں کے سراغ ملتے ہیں۔ عراق میں خطِ مسماری یا خطِ میخی رائج تھا۔ اس میں کچی نیم خشک اینٹوں پر نوک دار کیل سے نقوش ابھارتے تھے۔ مصر میں ہیروغلیفی طریقۂ تحریر رائج تھا اور اس میں تصویریں بنائی جاتی تھی۔ ان نقوش کی تعداد ۶۰۰ تھی اس لیے یہ فن چند لوگوں تک محدود تھا۔ اس میں اصلاح کی ضرورت محسوس کی گئی، یہ کارنامہ آرامی قوم نے انجام دیا۔

بابل اور مصر کے درمیان جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی کنارے پر شہر کنعان میں آرامی نسل کی ایک شاخ آباد تھی، انھوں نے سب سے پہلے حلق سے نکلنے والی آوازوں کے لیے نقوش متعین کیے جو تعداد میں ۲۲ تھے، ان کا سیکھنا اور انھیں یاد رکھنا بہت

آسان تھا اس لیے اسے تیزی سے عروج حاصل ہوا۔ اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ آرامی خط دنیا کا پہلا با قاعدہ تحریری خط ہے۔ دنیا کے بیشتر خطوط آرامی سے ماخوذ ہیں۔ یمن کے ذریعے آرامی خط اہلِ عرب تک پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عرب میں یہی خط رائج تھا اور قرآن مجید کی آیات جو وحی کی صورت میں نازل ہوتی تھیں، اسی میں لکھوائی جاتی تھیں۔ اسی طرح بعد میں جب قرآن پاک کے نسخے تیار کروائے گئے تو آرامی رسم الخط ہی میں لکھے گئے۔ اس طرح یہ رسم الخط دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلتا چلا گیا۔ بنوامیہ کے دور میں عربی زبان کو رواج ملا۔ ۵۰ ہجری میں ابولاسود دیٔلی نے اعراب ایجاد کیے تاکہ غیر عرب لوگ قرآن مجید آسانی سے پڑھ سکیں۔ حجاج بن یوسف کے حکم پر نصر بن عاصم نے نقطے وضع کیے۔ عبدالرحمٰن خلیل بن احمد عروضی نے اعراب کی موجودہ شکلیں متعین کیں۔ نویں صدی عیسوی میں ابنِ مقلہ نے خطِ نسخ ایجاد کیا۔ امیر تیمور گورگانی کے زمانے میں خواجہ امیر علی تبریزی نے خطِ نسخ اور خطِ تعلیق کو ملا کر ایک نیا خط ایجاد کیا جو نستعلیق کے نام سے مشہور ہوا۔

عربی رسم الخط پہلے ایران پھر افغانستان میں آیا۔ ایران میں اسلامی تہذیب و تمدن کے ساتھ عربی رسم الخط کو بھی اختیار کر لیا گیا تاہم فارسی زبان میں کچھ مخصوص آوازوں کے لیے نئے حروف وضع کیے گئے۔ ان کی تقلید میں پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی زبان اُردو کو عربی خط میں لکھا۔ عربی اور فارسی زبانوں کے الفاظ اور تراکیب اُردو میں بلا تکلف استعمال ہوتی ہیں اس لیے اہلِ ایران کی اصلاحات کو جوں کا توں قبول کر لیا گیا۔ یوں زبان اور رسم الخط کے فروغ سے فنِ تحریر بھی ترقی کی جانب گامزن ہوا۔ ذہنِ انسانی کے سارے علمی وادبی کارنامے جو آج تک ہماری رہنمائی کر رہے ہیں تحریری صورت میں ہیں۔ اگر ہمارے اسلاف لکھنے کے فن سے واقف نہ ہوتے تو ہم ان کی ایجادات و تخلیقات اور خیالات و افکار سے فائدہ نہ اٹھا سکتے۔ اسلاف کے علمی وادبی کارنامے کتابی صورت میں محفوظ ہیں جن سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے نیز نسل در نسل یہ تحریری ورثہ منتقل ہوتا ہے اس لیے زبان کی تحریری صورت جتنی بہتر ہو گی املائی اغلاط سے پاک ہو گی اس زبان کا تحریری سرمایہ اتنا ہی قابلِ اعتبار اور مضبوط ہو گا۔ تاہم یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف وجوہات کی بنا پر ان تحریروں اور متون میں تبدیلیاں اور اضافے ہوتے رہتے ہیں جس سے اصل متن تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے لہٰذا ایسی صورت میں ان متون کی تدوین کرنے والے پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ متون کے مختلف نسخوں کو مدِ نظر رکھ کر اصل متن کی بازیافت کرے۔

اس باب میں متن کے لغوی واصطلاحی مفاہیم کا تعین کیا جائے گا نیز اس کے دائرہ کار کو تدوین کے نقطہ نظر سے بیان کیا جائے گا۔

مَتن عربی زبان کا لفظ ہے۔ عربی لغت ''المنجد'' میں متن کے درج ذیل معنی دیے گئے ہیں:

اَلمَتنُ: پیٹھ (مذکر و مؤنث)

مَتنُ الشّی: چیز کا ظاہری حصہ

مَتنُ الکِتاب: کتاب کی اصل عبارت بغیر شرح اور حاشیہ کے

اَلمِتانُ: دو دروں کے درمیان کا فاصلہ۔ ج مُتن (۲)

عربی لغت ''القاموس الوحید'' میں متن کے درج ذیل معنی دیے گئے ہیں:

اَلمَتنُ: کمر، پیٹھ (مذکر و مؤنث) دو ستونوں کے درمیان کا حصہ، ج مِتان و مُتونمَتنُ الکِتاب: کتاب کی اصل (بلا شرح) عبارت جس پر حاشیہ چڑھایا جاتا ہے یا اس کی شرح کی جاتی ہے۔

اَلمَتنانِ: کمر کو دونوں طرف سے گھیرے ہوئے پٹھے اور گوشت۔'' (۳)

''فرہنگِ عامرہ'' میں متن کے جو معنی دیے گئے ہیں وہ ذیل میں درج ہیں:

متن ؟:مَت ۔ن ۔کتاب کے صفحہ کی درمیانی عبارت جمع مُتون ومِتان۔'' (۴)

''علمی اُردو لغت'' متوسط نے متن کے یہ معنی دیے ہیں:

متن (ع، مذ) کتاب کی اصل عبارت، کتاب، کپڑے یا سڑک کے بیچ کا حصہ، درمیان، وسط، درمیانی، پشت، مضبوط۔'' (۵)

لغات کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ محققین ونقادوں نے متن کی کیا تعریف کی ہے:

ڈاکٹر محمد خاں اشرف نے مضمون ''اصطلاحات۔تدوینِ متن'' میں متن کے معنی درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''متن: (مَ ت نْ) کتاب کی اصل عبارت، کتاب کے صفحہ پر حوض کی عبارت، کسی ایسی زبان میں لکھی گئی تحریر یا دستاویز جس سے محقق یا مدَوِّن واقف ہے، جسے وہ سمجھتا ہے اور جسے وہ ترتیب دینا یا اس کی تدوین کرنا چاہتا ہے۔مصنف/شاعر کی اپنی اصل عبارت/تحریر۔'' (۶)

ایس۔ایم۔کاترے نے پوسٹ گیٹ کے حوالے سے درج ذیل الفاظ میں متن کی تعریف کی ہے:

"By a text we understand a document written in a language known, more or less, to the inquirer, and assumed to have a meaningwhichhasbeenorcanbeascertained."(7)

گیان چند جین متن کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اردو میں تدوینِ متن کی حد تک ہم متن اس تحریر کو کہہ سکتے ہیں جسے کوئی محقق ترتیب دینا چاہتا ہے۔ وہ تخلیقی نظم ونثر ہو یا غیر تخلیقی۔مثلاً کوئی تذکرہ یا انشا کی دریائے لطافت یا گل کرسٹ کا رسالۂ قواعد وغیرہ۔'' (۸)

ڈاکٹر تنویر احمد علوی لکھتے ہیں:

''متن (Text) کسی ایسی عبارت، تحریر یا نقوشِ تحریر کو کہتے ہیں جن کی قرأت یا معنوی تفہیم ممکن ہو۔'' (۹)

ڈاکٹر خلیق انجم درج ذیل امور کو متن کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں:

''۱۔متن کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحریر ہو۔

۲۔متن ایسی تحریر ہے جو کاغذ پر یا غیر مطبوعہ مختلف دھاتوں کے ٹکڑوں، مٹی یا لکڑی کی بنائی ہوئی لوحوں، پتوں، پتھروں یا چمڑوں اور چٹانوں وغیرہ کسی بھی چیز پر ہو سکتی ہے۔

۳۔متن نظم بھی ہو سکتا ہے اور نثر بھی۔

۴۔متن ہزاروں سال قدیم بھی ہو سکتا ہے اور ہمارے عہد کے کسی مصنف کی تحریر بھی۔اس کے لیے زمانے اور وقت کی کوئی قید نہیں۔

۵۔ ہزاروں صفحوں پر پھیلی ہوئی ہو یا ایک صفحے کی مختصر سی تحریر، دونوں متن ہو سکتے ہیں۔
۶۔ متن کے لیے ضروری ہے کہ بامعنی ہو، اگر سیکڑوں برس کے عرصے میں نقل درنقل کی وجہ سے متن مسخ ہو گیا ہو تو اس کے اصل الفاظ کا تعین کیا جا سکے۔''(۱۰)

متن کی درج بالا تعریفوں سے دو نکات سامنے آتے ہیں ایک تو متن کا مفہوم جس کے مطابق کتاب کی اصل عبارت، صفحہ کے درمیان حوض کی عبارت اور تحریر کو متن کہا جاتا ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس کے لغوی مفہوم سے اس کی اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔ متن کا ایک مفہوم کمر کو دونوں طرف سے گھیرے ہوئے پٹھے یا گوشت کے ہیں، اسی طرح سڑک کا کپڑے کا درمیانی حصہ بھی اس کے لغوی مفاہیم میں شامل ہے۔ اگر ان مطالب پر غور کریں تو ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ جس طرح انسانی جسم کے توازن اور تناسب میں کمر کا درمیانی حصہ یعنی ریڑھ کی ہڈی بنیادی کردار ادا کرتی ہے اسی طرح کسی تحریر یا تصنیف میں متن کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ سڑک کا کپڑے کا درمیانی حصہ یا کسی تصنیف میں حوض کا حصہ مرکز ہوتا ہے۔ مخطوطات میں صفحے کے درمیان میں جو چوکور خانہ بنایا جاتا تھا اور جس میں متن تحریر ہوتا تھا اسے حوض کہا جاتا تھا۔ چھوڑے ہوئے حاشیے میں متن سے متعلق تشریحات، اضافے اور دیگر معلومات درج کرتے تھے جنھیں حاشیہ کہا جاتا تھا۔

حوض کے لغوی معنی ہیں پانی جمع کرنے کی پختہ جگہ جو زمین میں بنائی گئی ہو، چھوٹا سا تالاب، متن، حاشیہ کے اندر کی جگہ جو جدول کے اندر ہو۔ اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ پرانی کتب یا مخطوطات میں صفحے کے اُردگرد چاروں طرف حاشیہ چھوڑ کر لکیر لگائی جاتی تھی، اس لکیر یا خط کے اندر جو چوکور خانہ بنتا تھا جس میں متن تحریر ہوتا تھا، اسے حوض کہا جاتا تھا۔ اس حوض میں کاتب متن تحریر کرتا تھا۔ برصغیر میں مخطوطات کی تیاری اس دور کے مخصوص ادبی میلان، جمالیاتی ذوق اور تہذیبی فضا کی پیداوار تھی۔ کتابت ایک فن تھا، کاغذ کو نہایت مہارت سے تیار کیا جاتا تھا، کاغذ کا سائز منتخب کیا جاتا تھا، پھر اس پر جدول لگائی جاتی تھی جو سادہ بھی ہو سکتی تھی اور رنگین بیل بوٹوں سے مرصع بھی۔ عموماً مخطوطات کے یہ نسخے اہتمام سے تیار کرائے جاتے تھے۔ شاعر و مصنف اپنے دیوان اور تصنیفات کے مخطوطے خود تیار کراتے اور اہلِ علم و ذوق صاحبانِ اقتدار کو پیش کرتے۔ غالب نے نسخہ حمیدیہ اور نسخہ لاہور اسی طرح تیار کرائے تھے۔ دیوانِ حافظ اور گلستان و بوستانِ سعدی کے نسخے بہت مقبول تھے۔ حاشیہ میں صاحبانِ علم و ذوق متن کے بارے میں تشریح، وضاحت اور اپنی رائے وغیرہ درج کرتے تھے۔ بعد میں آنے والے ان حواشی پر حواشی لکھتے تھے، غرض علم دوستی اور ادب نوازی کا سلسلہ تھا۔ حوض میں متن کی عبارت مخصوص ہوتی تھی، حواشی ہر شخص اپنی مرضی سے درج کر سکتا تھا۔

متن کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ متن مصنف کی خودنوشت تحریر یا کاتب کی کتابت شدہ تحریر یا نقل درنقل تحریر کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کچھ متن املائی ہوتے ہیں، ایک شخص بولتا جاتا ہے اور دوسرا لکھتا جاتا ہے۔ اگر لکھنے والا جو کچھ سنتا ہے وہی تحریر بھی کرتا ہے تو اسے تقلیدی متن کہا جاتا ہے لیکن اگر لکھنے والا اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق متن میں الفاظ کو پس و پیش اور مضمون کو کم و بیش کر رہا ہے تو اسے ہم نیم تقلیدی متن کہیں گے۔ بعض متون سماعی ہوتے ہیں اور صدیوں تک سینہ بہ سینہ اور زبان بہ زبان ہوتے ہوتے تحریری شکل میں سامنے آتے ہیں ایسے متون میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ و ترمیم کا عمل جاری رہتا ہے۔

متن میں گردشِ زمانہ، بار بار کتابت، طباعت اور دیگر حالات کے باعث تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں اس لیے مُدَوِّن تمام نسخوں کو مدِنظر رکھ کر ان کی تدوین کرتا ہے اور متن کو دوبارہ منشائے مصنف کے مطابق بحال کرتا ہے۔ اس عمل کو سمجھنے کے لیے قرآن کریم اور احادیث کی مثال سب سے بہتر ہے۔ قرآن کریم کا متن شروع میں بہت سی جدا اور علیحدہ علیحدہ جگہوں میں محفوظ

تھا۔ کاغذ کے علاوہ چمڑے کے ٹکڑوں، پتھر کی سلوں، کھجور کے پتوں، لکڑی کے تختوں اور درختوں کے پتوں پر لکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے لوگوں کے حافظوں اور سینوں میں محفوظ تھا، پھر اسے نہایت محنت اور دقتِ نظر سے جمع کر کے مُدَوَّن کیا گیا تا کہ یہ زمانے کے لیے محفوظ ہو جائے۔ اسی طرح احادیث یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، مختلف لوگوں اور مختلف روایتوں سے جمع کر کے ان کی تدوین کی گئی اور راویان کی ثقاہت، صلابت اور صداقتِ فکر و یادداشت کے مطابق ان کی درجہ بندی کی گئی اور ان کو اپنی اصل شکل میں لانے کی کوشش کی گئی۔ اس روایت کے لیے درایت کے اصول منضبط کیے گئے جنھیں اسماء الرجال کا نام دیا گیا۔

محاضرات بھی سماعی متن کے ذیل میں آتے ہیں۔ اسلامی روایت میں بزرگانِ دین اور صوفیا و مشائخ کی محفل میں لوگ حاضر ہو کر ان سے اپنے روزمرہ کے مسائل اور دین و دنیا کے متعلق مختلف سوالات کیا کرتے تھے اور صوفیا اپنے علم و دانش اور بصیرت کے مطابق ان کے جواب دیتے تھے۔ حاضرین خاص کر مرید اور طلبا ان کے جواب لکھ لیا کرتے تھے۔ ان کے مجموعہ کو محاضرات کہا جاتا ہے۔

ملفوظات بھی سماعی متن میں شامل کیے جاتے ہیں۔ اولیا، صوفیا، بزرگانِ دین، مشائخ اور اہلِ دانش کی محفلوں میں جو گفتگو ہوتی یا سوال جواب کیے جاتے تھے، انھیں ضبطِ تحریر میں لایا جاتا تھا۔ ایسے تمام متون جو صاحبانِ علم کے اپنے ہاتھ سے نہیں بلکہ ان کے شاگردوں، معتقدین، حاضرینِ مجلس وغیرہ کے ہاتھ سے لکھے ہوتے ہیں ان کے لیے ملفوظات کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ ایسی گفتگو جس میں سوال جواب کا سلسلہ ہوتا تھا اس کے لیے محاضرات کی اصطلاح مستعمل ہے۔ اگر ایسی گفتگو صاحبِ گفتار خود املا کراتا تھا تو اسے ''امالی'' یعنی لکھایا ہوا یا املا کیا ہوا کہا جاتا تھا۔ اسلامی روایت و معاشرت میں ملفوظات کی بڑی کثرت ہے اور یہ سلسلہ در سلسلہ آج تک جاری ہیں۔ ایک لحاظ سے مکالماتِ افلاطون کو بھی ''محاضرات'' کہا جا سکتا ہے کہ وہ سقراط کی گفتگو اور سوال جواب پر مشتمل ہے جو کہ افلاطون نے قلم بند کیے۔ ملفوظات کے متون کی تدوین میں بہت احتیاط برتنے کی ضرورت ہے کیونکہ نقل در نقل سے اکثر التباس و تصرفات کا اندیشہ رہتا ہے۔ فارسی میں ''فوائد الفوائد'' حضرت نظام الدین اولیا کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے حسن سنجری نے مرتب کیا تھا۔ مولانا اشرف الحق تھانوی کے ملفوظات دیوبند سے شائع ہوئے ہیں۔

مصادر کے لحاظ سے بھی متون کی مختلف اقسام ہیں۔

وحید نسخہ: بعض متون کی قلمی یا مطبوعہ صورت میں صرف ایک ہی روایت دستیاب ہوتی ہے جسے وحید نسخہ کہا جاتا ہے۔ بعض متون کے متعدد قلمی نسخے ملتے ہیں۔

دستخطی نسخہ: قلمی نسخوں میں سب سے اہم وہ قلمی نسخے ہوتے ہیں جو مصنف نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوں اور جس کے بارے میں داخلی و خارجی شہادت موجود ہو کہ یہ صاحبِ تصنیف کا اپنا خطی نسخہ ہے۔ ایسے نسخے کو خطی یا دستخطی نسخہ کہا جاتا ہے، یعنی مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ۔ ایسے متن کو اساسی نسخہ قرار دیا جانا چاہیے۔

نظر ثانی شدہ نسخے: دوسرے درجے پر ایسے قلمی نسخے آتے ہیں جو مصنف کی نظر سے گزر چکے ہوں، اس سلسلے میں بطور خاص وہ نسخے رکھے جاتے ہیں جو مصنف کی خواہش اور مرضی کے مطابق بڑے اہتمام کے ساتھ تیار کیے گئے ہوں یا جن کی تیاری میں مصنف کے کسی عزیز، شاگرد، مرید یا دوست کا ہاتھ رہا ہو۔ ایسے متن کو استنادی متن کہا جاتا ہے۔ متون کی یہی درجہ بندی مطبوعہ نسخوں پر بھی لاگو کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی لکھتے ہیں:

''مصنف کے ہم عہد یا قریب العہد نسخے زیادہ مستند خیال کیے جاتے ہیں اور خاص طور پر وہ نسخہ مرجع ہوتا ہے جو خود مصنف کا اپنا ہو یا اس کی نظر سے گزر چکا ہو یا پھر اس کو اس کے شاگرد یا قریب رہنے والے کسی فرد نے مرتب کیا ہو۔۔۔۔اگر کوئی نسخہ یا مآخذ مصنف کے آخری عہد سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں اس کا اصلاح شدہ کلام درج ہے تو آخری صورت ہی بالعموم مرجع سمجھی جاتی ہے لیکن میرے خیال سے قدیم اور مستند صورت ہی کو ترجیح دی جانی چاہیے۔اس سے شاعر کے ذہنی ارتقا، اس کے اندازِ بیان، لفظیات اور تلفظ کے فرق کو زیادہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔باقی صورت اختلافِ نسخ کے ذیل میں آنی چاہیں۔''(۱۱)

متن کی مطبوعہ روایتوں میں وہ متن مستند ہوگا جو صاحبِ متن کے قریب تر افراد یا زمانے سے تعلق رکھتا ہو۔اس کی ایک مثال ''باغ و بہار'' کی تدوین ہے جس میں رشید حسن خاں نے متعدد قلمی اور مطبوعہ نسخے مدِ نظر رکھے لیکن انھوں نے متن کی بنیاد اس نسخے کو بنایا جو گلکرسٹ نے فورٹ ولیم کالج سے پہلے ہندی مینول میں ایک سو دو صفحات اور اس کے بعد مکمل متن کتابی صورت میں شائع کیا تھا۔

روایت تقریری اور تحریری دونوں صورتوں میں ہوسکتی ہے لیکن اس میں درج ذیل امور کا خیال ضرور رکھنا چاہیے:

روایت کو نقل کرنے والا شخص معتبر ہے یا نہیں؟

روایت کن واسطوں سے پہنچی ہے؟

جو وسائل یا واسطے استعمال کیے گئے انھیں معتبر قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

کوئی ایسا راوی تو نہیں جس کی قوتِ حافظہ پر اعتبار نہ کیا جاسکتا ہو؟

اس کا قلم لغزشوں سے پاک ہے؟

وہ زبان کی نزاکتوں سے واقف ہے یا نہیں؟

کسی تحریر کی تسوید کرتے ہوئے مصنف خود بھی اس میں تبدیلیاں کرتا ہے، اضافے بھی کرتا ہے اور کچھ عبارت حذف بھی کر دیتا ہے جس کے باعث اس کی مختلف روایتوں میں اختلافِ نسخ پیدا ہو جاتا ہے جو لفظ و معنی اور املا و تلفظ پر اثر انداز ہوتا ہے۔کبھی کبھار مصنف یا کاتب سے غیر ارادی طور پر املا یا الفاظ میں غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔جس کی تصحیح نظرِ ثانی میں ہوجاتی ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نظرِ ثانی کی نوبت ہی نہیں آتی اور غلطیوں کی وہ صورت تحریر میں جگہ پا جاتی ہے۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کاتب دانستہ متن میں تبدیلی یا اضافہ کر دیتا ہے، کبھی املائی اغلاط متن میں راہ پا جاتی ہیں۔متن میں مختلف قسم کی تبدیلیاں ممکن ہوتی ہیں جو کبھی دانستہ اور کبھی نادانستہ متن میں شامل ہو جاتی ہیں۔ان میں ترمیم، تنسیخ، تصحیح، تصحیف، غلط انتساب، املائی اغلاط، قرأتوں کی غلطیاں، بحور و اوزان کا فرق، مشابہت وغیرہ شامل ہیں جن کا ذکر تفصیل اور الگ باب کا متقاضی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، زبان اور اُردو زبان، کراچی: حلقہ نیاز و نگار، اکتوبر ۱۹۹۵ء، ص:۳

۲۔ المنجد، کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۷۵ء، ص:۹۴۵

۳۔ وحید الزماں قاسمی کیرانوی، مولانا، مؤلف: القاموس الوحید، لاہور: کراچی: ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۱۲ء، ص:۱۵۲۱

۴۔ محمد عبداللہ خان خویشگی، مؤلف: فرہنگِ عامرہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء، ص:۵۴۹

۵۔ وارث سرہندی، مؤلف: علمی اُردو لغت (متوسط)، لاہور: علمی کتاب خانہ، ص:۲۷۹

۶۔ محمد خاں اشرف، ڈاکٹر، اصطلاحات۔ تدوینِ متن، مشمولہ: تحقیق نامہ، مجلّہ شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص:۱۳۱

7. S.M.Katre, An Introduction to Indian Textual Criticism, Poona, 1954, P-1

۸۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، تحقیق کا فن، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع سوم، ۲۰۰۳ء، ص:۳۹۷

۹۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، اصولِ تحقیق و ترتیبِ متن، لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص:۲۲

۱۰۔ خلیق انجم، ڈاکٹر، متنی تنقید، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۲۰۰۶ء، ص:۲۱۔۲۰

۱۱۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، قدیم دواوین کی ترتیب کے مسائل، مشمولہ: اُردو میں اصولِ تحقیق، جلد دوم، مرتبہ: ایم۔ سلطانہ بخش، اسلام آباد: ورڈ ویژن پبلشرز، ص:۲۴۱،۳۴۱

☆......☆......☆